ڈاکٹر بصیرہ عنبرین

استاد شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

اقبال، وجودِ زن اور عقدۂ مشکل کی کشود

Dr. Bseera Ambreen

Department of Urdu,Punjab University,Oriantal College,Lahore

Iqbal, Women and Resolution of the Mystery

Iqbal, as a thinker, has reflected on various dimensions of life, one of which is the issue of "womanhood", which he has tried to resolve. In this research article, Iqbal's views related to women have been explained in a wider context. The article is based on Iqbal's poetry, speeches, letters, public and private life. It tries to present a complete picture of womanhood as viewed by Iqbal.

علامہ اقبال بنیادی طور پر ایک ایسے مفکر ہیں جن کی نظر ہر شعبۂ زندگی پر رہی۔ اقبال کی شاعری تو حکمت و فلسفے کا ایک دل کش اظہار ہے ہی لیکن ان کی نثری نگارشات جن میں ان کی گفت گوئیں اور بیانات، تقاریر و مقالات اور مکاتیب و شذرات کے علاوہ علم الاقتصاد، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ (The Reconstruction of Religious thought in Islam) اور ایران میں فلسفۂ الٰہیات کا ارتقا (The Development of Metaphysics in Persia) جیسی نادر کتب بھی اس حوالے سے اہم ہیں۔ نیز سوانحی حوالے سے اقبال کی شخصیت پر رقم کی گئی متعدد تصانیف سے یہ ثابت ہے کہ ان کا تمام تر تحریری سرمایہ تفکر و تفلسف پر مبنی ہے اور یقیناً ان نثر پاروں سے مختلف ابعادِ زیست کے حوالے سے ان کے ہاں ایک مفکرانہ شان کا سراغ ملتا ہے۔ اقبال اس اعتبار سے ممتاز ہیں کہ انھوں نے اپنے پیش رووں یا معاصرین کے برعکس اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار ایک مربوط اور باضابطہ نظامِ فکر پیش کر کے کیا۔ انھوں نے انسانی حیات سے وابستہ مختلف اُمور پر اظہارِ خیال فرمایا اور خصوصیت کے ساتھ اپنی شاعری میں فرد کی ذات، انسانی حیات اور جملہ اُمورِ حیات پر عالمانہ و فلسفیانہ نگاہ ڈالی جو اس سے قبل ایسی صورت میں قطعاً دکھائی نہیں دیتی ـــــ نتیجتاً ہر طبقۂ زندگی کے لیے ان کی فکریات سے استفاضے کے امکانات موجود ہیں۔

اقبال نے فکری سطح پر جہاں تخلیقِ مقاصد، تشکیلِ خودی اور استحکامِ ملت کے سلسلے میں اسلام اور مسلمان، تعلیم و تربیت، ادبیات و فنونِ لطیفہ اور سیاسیات مشرق و مغرب جیسے اہم اور حساس موضوعات پر قابلِ قدر فکری سرمایہ پیش کیا وہاں عورت کے تصور اور اسلامی معاشرے میں اس کے مقام اور مرتبے کے ضمن میں بھی ان کے ہاں موثر اشارات موجود ہیں۔ یہ موضوع ان کے نظامِ فکر کی ایک اہم کڑی ہے اور خود ان کے مطابق یہ مسئلہ خاصا پیچیدہ ہے جسے معاشرتی، روایتی اور سماجی ڈھانچوں نے مزید الجھا دیا ہے۔ اقبال کے شعری و نثری سرمایۂ تحریر سے ظاہر ہے کہ عورت کائنات کی روح ورواں ہونے کے باعث اہمیت رکھتی ہے اور اسی سبب سے مختلف مذاہب میں اس کے وجود کو تسلیم کیا گیا، یہ الگ بات ہے کہ مختلف معاشرتی و سماجی روایات کے تحت اس کے حوالے سے مذہبی تعبیرات میں ردّ و بدل کیا جاتا رہا اور یوں بہت سے اختلافات پر مبنی پہلو بھی سامنے آئے۔ علامہ نسلِ انسانی کی بقا عورت کے وجود میں مضمر گردانتے ہیں چناں چہ ان کے ہاں عورت کی عظمت کا احساس خاصا قوی محسوس ہوتا ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ فکرِ انسانی کا سرچشمہ قرآن حکیم ہے اور اقبال کے کلام و افکار میں دیگر فکری مضامین کی طرح ان کا پیش کردہ تصورِ نسواں بھی اسی کتاب حکمت سے اخذ شدہ ہے جسے انھوں نے ہندستان کے سیاسی و سماجی ڈھانچے کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ اقبال، کتابِ مبین کی روشنی میں عورت کو اس کے حقوق و فرائض کا احساس دلاتے ہیں اور عصرِ حاضر میں معاشرے میں درآنے والی تبدیلیوں کے اُس کی ذات پر مرتسم ہونے والے مثبت و منفی اثرات سے اُسے باخبر کرتے ہیں۔ وہ عورت کو ملتِ اسلامیہ کے ایک کلیدی نمائندے کی حیثیت سے دیکھتے ہیں جس پر افرادِ قوم کی اصلاح و فلاح منحصر ہے اور اسی تناظر میں انھوں نے اسے اپنا مقام و مرتبہ پہچاننے کی تلقین کی ہے۔ اقبال کے ہاں عورت کی عظمت و اہمیت کا احساس ان کی متعدد تحریروں سے ہوتا ہے۔ یہاں اُن کی ایک تقریر بہ عنوان: ''شریعتِ اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ'' سے ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے، جو انھوں نے انجمن مسلم خواتین، مدراس کے سپاس نامے کے جواب میں ۱۹۲۹ء میں پیش کی، اقبال نے کہا:

> ......میرا یہ عقیدہ رہا ہے کہ کسی قوم کی بہترین روایات کا تحفظ بہت حد تک اس قوم کی عورتیں ہی کر سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں جن کی بنا پر میں آپ کے ایڈریس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اگرچہ انحطاط کے دور میں عورت کے حقوق سے بے پروائی ہوئی، مسلمان مردوں نے مسلمان عورتوں سے تغافل برتا لیکن عورت باوجود اس تغافل کے اپنا منصب پورا کرتی رہی۔ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اپنی ماں کی تربیت کے اثرات اپنی طبیعت میں نہ پاتا ہو یا بہنوں کی محبت اس کے دل پر اپنا نشان نہ چھوڑتی ہو۔ وہ خوش نصیب شوہر، جن کو نیک بیویاں ملی ہیں، خوب جانتے ہیں کہ عورت کی ذات مرد کی زندگی کے ارتقا میں کس حد تک ممد و معاون ہے...... (۱)

اقبال استحکام معاشرت میں عورت کی اہمیت کے قائل تھے اور خاندان میں بچی کی ولادت کو باعثِ سعادت گردانتے تھے۔ اس ضمن میں حیاتِ اقبال سے کافی اشارات ملتے ہیں، مثلاً سر راس مسعود کے ہاں بیٹی کی پیدائش پر انھوں نے کچھ اشعار کہے جن میں سر سید کی تحسین و ستائش کے ساتھ ساتھ ایک شعر یہ بھی ہے:

خاندان میں ایک لڑکی کا وجود
باعثِ برکاتِ لامحدود ہے(۲)

یا پھر ضربِ کلیم کا وہ معروف قطعہ دیکھیے جہاں انھوں نے نہایت حکیمانہ اور بصیرت افروز پیرایے میں عورت کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریّا سے مشتِ خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اُسی دُرج کا دُرِ مکنوں!
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں!(۳)

اسی طرح رموزِ بےخودی میں تحسینی پیرایے میں عورت کے مقام و مرتبے کی وضاحت یوں کی ہے:

نغمہ خیز از زخمۂ زن سازِ مرد — از نیازِ او دوبالا نازِ مرد
پوششِ عریانیِ مرداں زن است — حُسنِ دلجو عشق را پیراہن است
عشقِ حق پروردۂ آغوشِ اُو — ایں نوا از زخمۂ خاموشِ او
آنکہ نازد بر وجودش کائنات — ذکرِ اُو فرمود با طیب و صلوٰۃ(۴)

بہ ظاہر شعر و فکرِ اقبال میں عورت کا تصور ان کے دیگر نظریات کے مقابلے میں قدرے ادھورا اور بکھرا ہوا دکھائی دیتا ہے، لیکن اگر اس ضمن میں علامہ کے پیش کردہ تمام تر اشارات و نکات کو مرتب صورت میں یک جا کیا جائے تو ایک مکمل تصویر بنتی اور اس ’عقدۂ مشکل کی کشودہوتی نظر آتی ہے ـــــ ایک ایسی تصویر جس میں عورت سے وابستہ تمام تر رومانی و جمالیاتی، عقلی و استدلالی اور سماجی و تہذیبی پہلوؤں نے بڑی خوب صورتی سے رنگ بھرے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فکرِ اقبال میں عورت سے متعلق تصورات ان کے دیگر مباحث فکر ہی کی طرح تدریجی صورت رکھتے ہیں۔ آغازِ شاعری میں علامہ کے ہاں روایتی شعرا کے مخصوص تصورِ زن کی روشنی میں عورت کا ایک رومانوی و جمالیاتی تصور ملتا ہے جہاں وہ داغ اور امیر مینائی کے رنگِ تغزل کے علاوہ مغربی رومانوی شعرا کے تتبع میں عورت کا ایک تاثر آفریں جمالیاتی پیکر ترتیب دیتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس تصور میں عورت کے جذباتی و نفسیاتی اور ذہنی و عقلی پہلوؤں کی شمولیت ہوتی ہے اور اب ان کے ہاں بعض تعلیم یافتہ خواتین کے درک و تدبر سے اثر پذیری جھلکنے لگتی ہے۔ یوں اس پہلی سطح پر عورت کا ایک جمالی و ذہنی پیکر مکمل ہو جاتا ہے جب کہ دوسری سطح نسبتاً زیادہ گہرائی کی حامل ہے اور اسے بہت حد تک اس حوالے سے ان کے مرکزی و کلیدی نقطۂ نظر سے عبارت کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ صورت

ہے جہاں وہ عورت کا تصورِ امومت کے حوالے سے قائم کرتے ہیں اور اس سلسلے میں ماں کی عظمت اور کردار پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ تاریخ مسلم سے بہ طور خاص اطفال کی اعلیٰ تعلیم و تربیت پر مبنی نمایاں مثالیں پیش کرنے والی ماؤں کی نظائر فراہم کرتے ہیں۔ اس مقام پر عورت، رومانی و ذہنی سطح سے یک سر اوپر اٹھ کر معاشرے کے ایک اہم ستون کی حیثیت سے اپنی پہچان کراتی ہے ــــــ بہ غور دیکھیں تو پہلا نکتہ اہمیتِ نسواں پر مبنی ہے اور دوسرا فرائضِ نسواں کا احاطہ کرتا ہے اور علامہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بل کہ حقوقِ نسواں پر مبنی ایک تیسری صورت بھی ترتیب دی ہے جس کی وضاحت وہ ہندستان کے مذہبی، سماجی اور سیاسی و تہذیبی احوال کے آئینے میں کرتے ہیں اور اس کے ابلاغ و افہام کے لیے زیادہ تر تلقینی و توضیحی اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ یہاں عورت کی پہچان ایک 'فرد' کے طور پر ہوتی ہے اور اس تصور کی رو سے ان کے مطابق عورت کو بچوں کی تعلیم و تہذیب موثر طور پر کرنے کے علاوہ اپنی ذات سے متعلق حقوق کا شعور ہونا چاہیے بل کہ اپنے خاندان اور معاشرے کو بھرپور انداز میں اس سے باخبر کرانا چاہیے۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ اگر عورت اپنے حقوق کو اسلامی و شرعی قوانین کی روشنی میں سمجھ پائے تو وہ مسلم معاشرے کی خودداری اور احساس ذمے داری میں اضافے کا باعث بن سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ مسلم میں بہت سی ذمے دار اور فعال مسلم خواتین کا تذکرہ نمایاں طور پر ملتا ہے، جو یقیناً ہر دور کی مسلم خواتین کے لیے مثالی حیثیت رکھتی ہیں۔ اقبال ایسے مثالی تاریخی کرداروں کی وساطت سے اپنے اس موقف کی توضیح و تصریح کرتے ہوئے موثر شعر پارے تخلیق کرتے ہیں۔ اس ضمن میں نثری حوالے سے ۷؍جنوری ۱۹۲۹ء کو انجمنِ خواتین اسلام، مدراس کے استقبالیے کے دوران میں کی گئی علامہ کی گفت گو بہت کلیدی ہے جس میں انھوں نے وضاحت کی کہ عورت اسلامی تاریخ میں فریضۂ امومت و تربیت انجام دینے کے ساتھ ساتھ معاشرتی سطح پر بھی فعال رہی۔ مسلم خواتین اپنی نسوانی حیا کو برقرار رکھتے ہوئے نہ صرف جہاد میں شریک رہیں بل کہ اپنی علمیت و ذہانت کو بہ روئے کار لاتے ہوئے مختلف مدارس میں درس دیتیں، فتوے صادر کرتیں ــــــ حتیٰ کہ انتخاب کے وقت اپنی جداگانہ آواز رکھتی تھیں ــــــ یوں فکریاتِ اقبال میں وجودِ زن کے ضمن میں قائم کردہ اس تیسرے نکتے کی تفہیم، اقبال ہی کی ایک اہم شعری اصطلاح ''فرد'' سے بہ خوبی ہو سکتی ہے جس میں مرد اور عورت دونوں ہی شامل ہیں اور جس کے مطابق: ''ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ!'' ــــــ البتہ یہ امرِ واقعی ہے کہ اقبال کے ہاں تصورِ زن کے اس پہلو کو قدرے نظر انداز کیا گیا حال آں کہ عہدِ موجود کی صورتِ حال، ضروریات اور تقاضوں کے پیشِ نظر اور تانیثی حوالے سے بعض نئے نظریات و تحریکات کی موجودگی میں اس تیسرے نظر انداز کیے گئے نقطۂ نظر کو نمایاں کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ــــــ یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ عورت کے مقام و مرتبے کا فکرِ اقبال کی روشنی میں تعین کرتے ہوئے زیادہ تر ان کے ایسے اشعار نمایاں کر دیے جاتے ہیں جن سے اشتباہ ہوتا ہے کہ شاید مسئلہ زن کو علامہ نے اپنے دیگر تصورات کے مقابلے میں درخورِ اعتنا نہیں سمجھا، یا محض سرسری نگاہ سے دیکھا اور پرکھا، مثلاً:

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے، وہ قند

کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند!(۵)

فکریاتِ اقبال میں عورت کی ذہنی ونفسیاتی ساخت اوراس کے حقوق وفرائض کی روشنی میں تشکیل پانے والے تصورِ زن کے ضمن میں اجمالاً بیان کردہ ان تینوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اقبال کے ہاں عورت کے تصور کو بعض متنوع اور قابلِ فہم جہتوں میں تقسیم کر کے قدرے تدریجی انداز میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ چناں چہ اس اصول کے تحت اولاً فکرِ اقبال میں عورت کے رومانی و جمالیاتی تصور کی نمود دیکھی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اقبال آغازِ شاعری ہی سے مطبوعہ کلام میں عورت کے ظاہری وباطنی حُسن پر تفکر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا بانگِ درا کے دورِ اول کا غیر مطبوعہ متروکہ کلام ثبوت کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے جہاں وہ متفرق مقامات پر تو اس حوالے سے غور وخوض کرتے ہی ہیں لیکن ایک نظم ''عورت'' میں فطرت کے مختلف مظاہر کے اشتراک سے اس کے وجود کی تخلیق کی طرف خصوصیت کے ساتھ رومانوی اشارات بہم پہنچاتے ہیں ___ یہاں چاند، گھاس، سانپ، بید مجنوں، بیلوں، طاؤس، گلِ کہسار، دیدۂ آہوئے چیں، نورِ خورشید، ابر، صبا، خرگوش، چیتے، برف، الماس، طوطی گلزار، قمری اور بلبل وغیرہ سے متعلق خصوصیات عورت کے داخلی وخارجی حسن میں دخیل ملتی ہیں اور اقبال لکھتے ہیں:

گندھ گندھا کر یہ مصالحہ جب اکٹھا ہو گیا
دستِ قدرت نے بنایا ایک ڈھانچا نور کا
آگ کا جوبن ہوا، اور نور کی صورت بنی
شکل عورت کی بنی، کیا موہنی مورت بنی (۶)

یوں عورت کا ایک ایسا تصور ان کے ہاں ابتدا ہی سے نظر آتا ہے جس میں ستائشی پہلو غالب رہا۔

بانگِ درا کے دوسرے دور میں 'حسن وعشق'، '......کی گود میں بلّی دیکھ کر'، 'کلی'، 'وصال' اور 'سلیمیٰ' جیسی منظومات میں یا پھر اسی مجموعے کے دورِ اول کی غزلیات میں اقبال نے خاصا روایتی واکتسابی رنگ جمایا ہے۔ یہاں عورت کا رومان پرور تصور بھر پور شعری آہنگ کے ساتھ ترتیب پاتا ہے، مثلاً یہاں چند غزلیہ شعر دیکھیے:

بھرم بزم میں اپنے عاشق کو تاڑا
تری آنکھ مستی میں ہشیار کی تھی (۷)

چھپتی نہیں ہے یہ نگہِ شوق، ہم نشیں!
پھر اور کس طرح انھیں دیکھا کرے کوئی (۸)

ستم ہو کہ ہو وعدۂ بے حجابی
کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں(۹)

منظومات میں یہ جمالی وتاثراتی رنگ تقویت پکڑ گیا ہے، مثلاً 'حسن وعشق' میں وہ عورت کو حاصل زیست قرار دیتے ہوئے خالصتاً ایک رومانوی شاعر کے سے لب ولہجے میں گویا ہوتے ہیں:

تو جو محفل ہے، تو ہنگامۂ محفل ہوں مَیں — حُسن کی برق ہے تو، عشق کا حاصل ہوں مَیں
تو سحر ہے، تو مرے اشک ہیں شبنم تیری — شامِ غربت ہوں اگر مَیں، تو شفق تو میری
مرے دل میں تری زلفوں کی پریشانی ہے — تری تصویر سے پیدا مری حیرانی ہے
حُسن کامل ہے ترا، عشق ہے کامل میرا
ہے مرے باغِ سخن کے لیے تُو بادِ بہار — میرے بیتاب تخیّل کو دیا تو نے قرار
جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں — نئے جوہر ہوئے پیدا مرے آئینے میں
حُسن سے عشق کی فطرت کو ہے تحریکِ کمال — تجھ سے سرسبز ہوئے میری امیدوں کے نہال
قافلہ ہو گیا آسودۂ منزل میرا(۱۰)

نظم '۔۔۔کی گود میں بلّی دیکھ کر' میں بڑے جمالیاتی اسلوب میں بلّی کی 'دزدیدہ نگاہی' میں آغازِ محبت کی رمز کو محسوس کیا گیا ہے۔ دیکھیے اس کی مختلف اداؤں کو ادائے محبوب پر محمول کرتے ہوئے عورت کا کیسا شوخ وچنچل جمالیاتی پیکر سامنے آتا ہے:

دیکھتی ہے کبھی ان کو، کبھی شرماتی ہے — کبھی اُٹھتی ہے، کبھی لیٹ کے سو جاتی ہے
آنکھ تیری صفتِ آئنہ حیران ہے کیا؟ — نُورِ آگاہی سے روشن تری پہچان ہے کیا؟
مارتی ہے انھیں پونچھوں سے، عجب ناز ہے یہ! — چِڑھ ہے یا غصّہ ہے؟ یا پیار کا انداز ہے یہ؟
شوخ تُو ہو گی، تو گودی سے اُتاریں گے تجھے — گر گیا پھول جو سینے کا تو ماریں گے تجھے
کیا تجسّس ہے تجھے؟ کس کی تمنّائی ہے؟ — آہ! کیا تو بھی اسی چیز کی سودائی ہے؟(۱۱)

'کلی' نام کی نظم میں سحر کے عارضِ رنگیں دکھانے پر کلی اپنا سینۂ زرّیں کھول دیتی ہے اور صبح کے مَے خانے میں جلوہ آشام ہو جاتی ہے۔ اس کی زندگی چوں کہ خورشید ہی کے پیمانے میں ہے، لہٰذا مہر کے سامنے اپنا دل چیر کر رکھ دیتی ہے اور یوں گویا سینہ شگافی کے مزے لیتی ہے ___ اقبال اس فطری منظرنامے کی جھلک دکھا کر خود اپنے خورشید (محبوب) کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور ان کے قلم سے یہ رومانوی شعرپارے تخلیق ہوتے ہیں جو سرتاسر عورت کے رومانوی وجمالیاتی وجود کا اثبات کراتے ہیں:

مرے خورشید! کبھی تُو بھی اٹھا اپنی نقاب — بہر نظارہ تڑپتی ہے نگاہِ بیتاب
تیرے جلوہ کا نشیمن ہو مرے سینے میں — عکس آباد ہو تیرا مرے آئینے میں
زندگی ہو ترا نظارہ مرے دل کے لیے — روشنی ہو تری گہوارہ مرے دل کے لیے

ذرّہ ذرّہ ہو مرا پھر طرب اندوزِ حیات　　ہو عیاں جوہرِ اندیشہ میں پھر سوزِ حیات
اپنے خورشید کا نظارہ کروں دور سے میں　　صفتِ غنچہ ہم آغوش رہوں نور سے میں
جانِ مضطر کی حقیقت کو نمایاں کر دوں
دل کے پوشیدہ خیالوں کو بھی عریاں کر دوں(۱۲)

دوسرے دور ہی کی نظم 'وصال' سے چند شعر ملاحظہ کیجیے جہاں اسی جمالی پیکر کی نمود استعاراتی زبان میں ہوتی ہے:

جستجو جس گل کی تڑپاتی تھی اے بلبل مجھے　　خوبیِ قسمت سے آخر مل گیا وہ گل مجھے
خود تڑپتا تھا، چمن والوں کو تڑپاتا تھا مَیں　　تجھ کو جب رنگیں نوا پاتا تھا، شرماتا تھا مَیں
یک نظر کردی و آدابِ فنا آموختی
اے خنک روزے کہ خاشاکِ مرا واسوختی(۱۳)

اسی ذیل میں ایک شعر نظم 'سلیمیٰ' کا بھی دیکھیے جس میں خاصے جان دار اسلوب میں کائنات کی مختلف اشیا میں حُسنِ مطلق کی متنوع جھلکیاں دکھانے کے بعد، سلیمیٰ کی نگاہوں میں انتہائے حُسن کو محسوس کرایا گیا ہے ___ یوں گویا عورت مرکزِ کائنات ٹھہرتی ہے:

ہر شے میں ہے نمایاں یوں تو جمال اس کا
آنکھوں میں ہے سلیمیٰ! تیری کمال اس کا(۱۴)

نثری حوالے سے اس انداز کی جھلک کم وبیش اسی دور میں اقبال کی اپنی جرمن اُستاد ایما ویگے ناسٹ اور معروف ہندستانی اسکالر عطیہ فیضی کے نام مکاتیب میں ملتی ہے۔ چند اقتباسات ان خطوط سے ملاحظہ ہوں جو اقبال کے ہاں عورت کا ایک رومانوی و جمالیاتی تصور تو ترتیب دیتے ہی ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کا ایک عقلی واستدلالی پیکر بھی تشکیل دیتے ہیں۔ ایما ویگے ناسٹ کے نام مراسلوں میں عورت سے وابستہ جمالیاتی احساسات یوں سپردِ قلم ہوئے ہیں:

> میں اُس وقت تک آپ کو نہیں لکھوں گا، جب تک آپ مجھے وہ خط نہیں بھیجتیں، جو آپ نے پھاڑ ڈالا ہے۔ یہ بڑی بے رحمی ہے۔ آپ ہائیڈل برگ (Heidelberg) میں تو ایسی نہیں تھیں۔ شاید ہائیل برون (Heilbronn) کی آب وہوا نے آپ کو بے مہر بنا دیا ہے......(۱۵)

—

> میں زیادہ لکھ یا کہہ نہیں سکتا۔ آپ تصور کر سکتی ہیں کہ میرے باطن میں کیا ہے۔ میری بہت بڑی خواہش ہے کہ میں دوبارہ آپ سے بات کر سکوں اور آپ کو دیکھ سکوں ___ لیکن میں نہیں جانتا کہ کیا کروں۔ جو شخص آپ سے دوستی کر چکا ہو۔ اس کے لیے ممکن نہیں کہ آپ کے بغیر وہ جی سکے......(۱۶)

—

......دونوں تصویریں بڑی خوب صورت ہیں اور وہ ہمیشہ میرے مطالعے کے کمرے میں میری میز پر رہیں گی، لیکن یہ مت باور کیجیے کہ وہ صرف کاغذ ہی پر نقش ہیں بل کہ وہ میرے (دل) میں بھی جا پذیر ہیں اور مدام رہیں گی......شاید میرے لیے یہ ممکن نہ ہوگا کہ میں دوبارہ آپ کو دیکھ پاؤں......لیکن میں یہ ضرور تسلیم کرتا ہوں کہ آپ میری زندگی میں ایک حقیقی قوت بن چکی ہیں...... (۱۷)

—

......میں ہمیشہ آپ کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں اور میرا دل ہمیشہ بڑے خوب صورت خیالوں سے معمور رہتا ہے! ایک شرارے سے ایک شعلہ اٹھتا ہے اور ایک شعلے سے ایک بڑا الاؤ روشن ہو جاتا ہے! لیکن آپ سرد مہر ہیں، غفلت شعار ہیں۔ آپ جو جی میں آئے کیجیے۔ میں بالکل کچھ نہ کہوں گا اور ہمیشہ صابر و شاکر رہوں گا...... (۱۸)

—

......بے رحم نہ بنیے۔ پلیز، جلد خط لکھیے اور تمام احوال بتائیے۔ میرا جسم یہاں ہے، میرے خیالات جرمنی میں ہیں۔ آج کل بہار کا موسم ہے لیکن میرا دل غمگین ہے۔ مجھے کچھ سطریں لکھیے اور آپ کا خط میری بہار ہوگا۔ میرے دلِ غمگین میں آپ کے لیے بڑے خوب صورت خیالات کا لامتناہی سلسلہ ہے۔ یہ ہیں، آپ کے لیے میری تمنائیں!!...... (۱۹)

—

......مت بھولیے گا کہ اگرچہ کئی ملک اور سمندر ہمیں ایک دوسرے سے جدا کریں گے، پھر بھی ہمارے درمیان ایک غیر مرئی رشتہ قائم رہے گا۔ میرے خیالات ایک مقناطیسی قوت کے ساتھ آپ کی طرف دوڑیں گے اور اس بندھن کو مضبوط بنائیں گے......یاد رکھیے گا کہ آپ کا ایک سچا دوست ہے، اگرچہ وہ فاصلۂ دراز پر ہے۔ جب دل ایک دوسرے کے قریب ہوں، تو فاصلہ کچھ معنی نہیں رکھتا...... (۲۰)

—

میں اپنی ساری جرمن زبان بھول گیا ہوں لیکن مجھے صرف ایک لفظ یاد ہے......ایمّا...... (۲۱)

—

میں بے تابی سے اُس وقت کا منتظر ہوں، جب میں دوبارہ آپ کے وطن میں آپ سے مل سکوں گا......بعض اوقات میں خود کو بالکل تنہا محسوس کرتا ہوں اور میرے دل میں یورپ اور بالخصوص جرمنی کو دوبارہ دیکھنے کی بڑی آرزو پیدا ہو جاتی ہے۔ براہ کرم مجھے اپنے دل میں اور اپنی یادوں میں ایک چھوٹی سی جگہ دیجیے گا...... (۲۲)

—

......مجھے امید ہے کہ آپ کو بھی وہ پُرمسرت ایام یاد ہوں گے، جب ہم روحانی طور سے ایک دوسرے کے اس

قدر قریب تھے اور مَیں محسوس کرتا ہوں کہ ہم اب بھی ایک دوسرے کے قریب ہیں...... (۲۳)

عطیہ فیضی کے نام خطوط میں اقبال اپنے ذہنی انقلابات پر تبادلۂ خیالات کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں عورت کا تصور ایک پختہ اور روشن دماغ فرد کے طور پر قائم ہوا ہے اور ان مکاتیب سے علامہ کے نزدیک ایک تعلیم یافتہ عورت کے مقام کی وضاحت ہوتی ہے جو گھر داری اور فرائض امومت و تربیت انجام دینے کے ساتھ ذہنی طور پر اتنی پختگی رکھتی ہے کہ مختلف مسائل و موضوعات پر درک و تفہم کر سکے۔ عطیہ فیضی کے نام مکاتیب سے اقبال کا عورت کے حوالے سے قائم کردہ یہ تصور بخوبی واضح ہوتا ہے۔ یہاں علامہ اپنی ذاتی و قلبی ہیجانات پر نفسیاتی رہ نمائی لیتے ہوئے نظر آتے ہیں، مختلف مسائل ذاتی پر گفت گو کرتے ہیں، اپنی شاعری کے حوالے سے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہیں، اپنی نثری تحریروں اور شعری منصوبوں سے آگاہ کرتے، انھیں نظمیں بھیجتے اور ان پر تبصروں کے خواستگار دکھائی دیتے ہیں ___ علاوہ ازیں یہ بھی حقیقت ہے کہ اقبال کی زندگی میں آنے والے ایک بحرانی دور میں عطیہ فیضی سے ان کی مراسلت نے ایک مثبت انجام کی صورت اختیار کی۔ اقبال ان سے بھرپور مکالمہ کرتے ہیں، مثلاً ایک خط سے اقتباس دیکھیے:

> ......ایک انسان ہونے کے ناتے میرا بھی خوشی پر حق ہے۔ اگر سوسائٹی یا نیچر مجھے اس سے محروم کرتے ہیں تو میں ان دونوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتا ہوں۔ واحد علاج یہی ہے کہ میں اس بدبخت ملک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دوں یا شراب میں پناہ ڈھونڈوں جو خودکشی کو آسان تر بنا دیتی ہے۔ یہ کتابوں کے مردہ بنجر ورق خوشی نہیں دے سکتے۔ میری روح میں اتنی آگ ہے کہ ان کے ساتھ تمام سماجی رسوم و رواج کو بھی جلا کر خاک کر دوں۔ آپ کہیں گی ایک رؤف الرحیم خدا نے یہ سب کچھ پیدا کیا۔ ہوسکتا ہے مگر اس زندگی کے حقائق ایک مختلف نتیجے کی طرف رہ نمائی کرتے ہیں۔ عقلی طور پر ایک رحمٰن و رحیم خدا سے زیادہ ایک ابدی قادرِ مطلق شیطان پر ایمان لانا زیادہ آسان ہے۔ مجھے ان کلمات کے لیے معاف کیجیے۔ میں ہمدردی کا خواستگار نہیں۔ میں تو صرف اپنی روح کو سبک بار کرنا چاہتا تھا۔ آپ میرے متعلق سب کچھ جانتی ہیں اور اسی لیے میں نے اپنے احساسات کو معرضِ تحریر میں لانے کی جرأت کی ہے۔ یہ ایک اعتماد ہے...... (۲۴)

چناں چہ عطیہ فیضی اس قبیل کے خطوط کے جواب میں علامہ کی ذہنی خلشوں کو دُور کرنے کی کوشش کرتی دکھائی دیتی ہیں اور ایسے مقام پر ان کی بھرپور ذہانت و فطانت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک ماہر نفسیات کی طرح ان کی ذہنی رفاقت کا فریضہ انجام دیتی ہیں، ایک جگہ وہ خود اس جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ......اقبال کا ۹/اپریل ۱۹۰۹ء کا خط ایسا تھا جو ہمدردانہ سلوک اور احتیاط آمیز برتاؤ کا مقتضی تھا۔ میں نے اُسے اس کی بدنصیبی پر اظہارِ اضطراب کا خط لکھا۔ مزید میں نے اُسے اس قنوطیت کے آگے سپر انداز ہونے پر جو اُس کے خط سے مترشح تھی، تھڑدِلے پن کا مجرم ٹھہرایا۔ میں نے یہ ذکر بھی کیا تھا کہ اگر میں ذاتی طور پر اس سے مل سکتی تو ان چھوٹی چھوٹی مصیبتوں پر، جو انسانیت کا مشترکہ ورثہ ہیں، قابو نہ پاسکنے پر اُس کی حماقت کی نشان دہی کرتی اور بتاتی کہ صرف وہ لوگ ہی ایسا طریقِ کار جس کا اُس نے اظہار کیا ہے، اختیار کرتے ہیں

> جو کم خود کفیل ہوں۔ میں نے تجویز کیا کہ وہ عبدالقادر سے ملے جو ہمارے قیام کے دوران لندن میں تھے اور ہم سے ملتے اور یونیورسٹی میں ہماری تعلیمات سے متعلق مختلف معاملات پر بحث کرتے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اس سے اقبال کی توجہ اپنے قنوطی رویے سے ہٹ جائے گی اور اس پر اس کی مزعومہ بدنصیبی کا تسلط ٹوٹ جائے گا۔ میں نے اس کے دماغ کو موجودہ حالات سے دُور ہٹانے کے لیے فراؤ پروفیسر اور مس وِیگے ناسٹ کا حوالہ دیا، جن کا وہ بہت دل دادہ تھا کیوں کہ وہ فاضل فلسفہ بھی تھیں اور اس کی استاد بھی۔ میں نے اقبال سے اپنے لیے ایک اُستانی تلاش کرنے کے لیے بھی کہا تھا۔ وہ اس مدرسۃ البنات کے لیے مطلوب تھی جو میں جنجیرہ میں چلانے کی سعی کر رہی تھی۔ ان تمام باتوں نے اس کی توجہ اس بات سے ہٹانے میں مدد دی۔ میں کافی حد تک اپنی کوشش میں کامیاب رہی، جیسا کہ اُس کے ۱۷/اپریل ۱۹۰۹ء کے خط سے ظاہر ہے......(۲۵)

اسی ضمن میں حیاتِ اقبال میں ایسے واقعات دکھائی دیتے ہیں کہ علامہ ذہین اور تعلیم یافتہ خواتین کے مقام و مرتبے کو سراہتے ہیں، ان سے مختلف معاملات و موضوعات پر گفت گوئیں کرتے ہیں یا ان کی معیت میں مختلف مقامات کی سیاحت کرتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ کے ۲۲/نومبر ۱۹۳۱ء کو روم کی سیاحت کے دوران دیئے گئے مختلف بیانات سے ظاہر ہے۔ یہ سفر انھوں نے اٹلی کی 'رائل اکیڈیمی' کے ایما پر اختیار کیا اور انھی کی طرف سے پروفیسر اپرسٹا کو (روم کی یونیورسٹی میں فلسفے کے پروفیسر) اور ہندستان میں اٹلی کے قونصل جنرل اور علامہ کے دوست ڈاکٹر سکارپا کے ہمراہ انجام پایا۔ اس دوران میں ''۲۲/نومبر کو تین بجے اقبال ایک قابل و فاضل اطالوی خاتون سے ملنے گئے۔ شام کو ایک بہت بڑے اطالوی بینکر کی بیوی ملنے کے لیے تشریف لائیں، جو وسطِ ایشیا کے مختلف حصوں کی سیاحت کر چکی تھیں اور واپسی کے وقت ہندستان سے گزرتے ہوئے لاہور میں لالہ ہرکشن لال کے مکان پر چند گھنٹے کے لیے ٹھہری تھیں۔ اس خاتون کے ساتھ زیادہ تر وسطِ ایشیا اور بالشویک روس کے متعلق گفت گو ہوتی رہی۔'' (۲۶) اسی سفر کے دوران میں ۲۴/نومبر کو جب بعض پرانے مقامات کی سیاحت کا پروگرام بنا تو بھی ایک جرمن خاتون ساتھ تھی، جو برما اور ہندستان کی سیر کر چکی تھی۔ انھیں انگریزی پر عبور تھا اور کچھ دنوں کے لیے یہاں رہائش پذیر تھیں۔ علاوہ ازیں انقلاب ہی میں چھپنے والی ایک تحریر (بہ تاریخ ۲۸/نومبر ۱۹۳۱ء) سے یہ ظاہر ہے کہ اقبال نے اس دوران میں جن اجلاس میں خطاب کیا، وہاں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کی ایک بڑی تعداد بھی موجود رہی جن میں لیڈی ارون، لیڈی ریڈنگ، لیڈی منٹو اور مسز سروجنی نائیڈو وغیرہ شامل تھیں (۲۷) اسی طرح اقبال مدراس مسلم ایسوسی ایشن کی فرمائش پر جنوری ۱۹۱۹ء کے اوائل میں مدراس تشریف لے گئے تو وہاں کی مصروفیات کی روئداد (جو ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے 'ہم سفر' کے فرضی نام سے انقلاب میں چھپوائی) سے پتا چلتا ہے کہ اقبال خوش ذوق اور ذہین خواتین کی صحبت پسند کرتے تھے، مثلاً انقلاب کو اس حوالے سے ارسال کیے گئے ۵/جنوری ۱۹۲۹ء کے ایک مراسلے (جو ۱۱/جنوری ۱۹۲۹ء کو چھپا) سے معلوم ہوتا ہے کہ سیٹھ ہاشم اسماعیل کی اہلیہ سے جو خاصی تعلیم یافتہ تھیں اور سینئر کیمبرج کے بعد جرمنی سے دو سال علم طب کی تحصیل کر چکی تھیں، علامہ کی ملاقات ہوئی اور ان کی کتاب پر انھوں نے اپنا ایک شعر بھی لکھا۔ اسی سفر کے دوران میں ''مدراس کے ایک معزز گھرانے کی ایک تعلیم یافتہ اور ذوقِ ادب سے بہرہ ور خاتون جنھوں نے علامہ کے انتظار میں لاہور ہی میں خط لکھے تھے،

مدراس سے ایک اسٹیشن پہلے ہی یعنی باسن برج کے اسٹیشن پر اپنے والد معظم کی معیت میں گاڑی میں استقبال کو آ گئی تھی۔''(۲۸) اسی سلسلے میں اقبال کا ۲۱رستمبر ۱۹۳۱ء کو'ملوجا' جہاز سے اپنے ایک دوست کے نام بھیجا گیا خط بھی اہم ہے جو انقلاب ہی میں ۱۵را کتوبر ۱۹۳۱ء کو چھپا۔اس میں ستائشی اسلوب میں لکھتے ہیں:

......ایک مصری کرنل کی لڑکی بھی ملنے کے لیے آئی۔یہ ہمارے جہاز میں انگلستان جا رہی ہے، تاکہ علم نباتات کے مطالعے کی تکمیل کرے۔ پہلے چار برس وہاں رہ کر آئی ہے۔انگریزی خوب بولتی ہے۔عام طور پر اہل مصر فرانسیسی لہجے میں انگریزی بولتے ہیں،اس لڑکی کا لہجہ بالکل انگریزی تھا......(۲۶)

حیاتِ اقبال سے متعلق متذکرہ واقعات اور اقبال کے پیش کردہ کلام سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ علامہ کے ہاں وجودِ زن سے متعلق پہلا نمایاں زاویہ عورت کے ایک جمالیاتی و ذہنی اور تاثراتی اور عقلی و استدلالی تصور کے ساتھ وابستہ ہے جہاں عورت کائنات کا ایک اہم عنصر ٹھہرتی ہے اور اس کی تمام تر رنگینیوں اور رعنائیوں کا باعث ہے۔ جب کہ عورت کے تصور کے ضمن میں دوسرا زاویہ امومت سے وابستہ ہے جسے انھوں نے نسبتاً زیادہ اہمیت دی اور جو اصلاً فرائض نسواں سے منسلک ہے۔علامہ اسے بہت اہم گردانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کائنات کی روح ورواں اسی سبب سے ہے کہ وہ ایسے گراں قدر فریضے انجام دیتی ہے جو اُسی کا خاصہ ہیں۔ یہ ذمے داریاں وہ بہ حیثیت ماں نبھاتی ہے اور تربیتِ اطفال کے تمام تر مراحل سے اُسے قرآن وسنت کی روشنی میں بہ طریقِ احسن گزرنا چاہیے۔اقبال خیال کرتے ہیں کہ امومت اور تربیتِ اطفال عورت کی زندگی کا حاصل ہے جو درحقیقت حیاتِ انسانی ہی کی بقا و تربیت ہے۔ ماں کی گود بچے کی اولین درس گاہ ہے،اس لیے عورت کو امومت کے منصب سے کسی طور پر گریز نہیں کرنا چاہیے۔اسے لذتِ تخلیق سے آشنا رہنا چاہیے اور اس راہ میں اپنی ذات سے وابستہ ترقی کو قربان کر دینا چاہیے۔یقیناً اُس کا ایسا کرنا انا ے ذات کو مجموعی انسانیت کی خودی کے سامنے فروتر گردانا ہے، جو اُسی کے بطن سے جنم لیتی ہے۔ماں کے قدموں تلے اسی لیے جنت ہے کہ وہ اپنی ذات کو پسِ پشت رکھ کر بچے کی نگہ داری کرتی ہے،جبھی تو اقبال نے اپنی کتاب علم الاقتصاد کے پہلے باب میں ''علم الاقتصاد کی ماہیئت اور اس کا طریقِ تحقیق'' کے زیرِ عنوان لکھا کہ:

......اُس ماں کی خدمات بھی دائرۂ علمِ اقتصاد سے خارج ہیں جو اپنے بیمار بچے کی حفاظت میں بعض دفعہ جان بھی دے دیتی ہے کیوں کہ اس کی بنا ذاتی تاثرات یا محبت پر ہے......(۲۷)

چناں چہ اقبال کی نثر ہو یا شاعری وہ عورت کو اس کی ان ذمے داریوں کا احساس دلاتے ہیں۔اس سلسلے میں ان کے بیانات بڑے دوٹوک ہیں، مثلاً روزگارِ فقیر سے ایک حصہ دیکھیے جہاں علامہ عہدِ حاضر کے تقاضوں میں عورت کو اپنا اولین منصب اور فریضہ پہچاننے کی تلقین یوں کرتے ہیں:

......عورت پر قدرت نے اتنی اہم ذمے داریاں عائد کر رکھی ہیں کہ اگر وہ ان سے پوری طرح عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے تو اُسے کسی دوسرے کام کی فرصت ہی نہیں مل سکتی۔اگر اُسے اس کے اصلی فرائض سے ہٹا کر ایسے کاموں پر لگایا جائے جنھیں مرد انجام دے سکتا ہے تو یہ طریقِ کار یقیناً غلط ہوگا، مثلاً عورت کو جس کا اصل کام آئندہ نسل کی تربیت ہے، ٹائپسٹ یا کلرک بنا دینا نہ صرف قانونِ فطرت کی خلاف ورزی ہے بل کہ

انسانی معاشرے کو درہم برہم کرنے کی افسوس ناک کوشش ہے۔''(۳۱)

یہی وجہ ہے کہ جہاں وہ عورت کا یہ جدید روپ دیکھتے، ان کے خیالات منتشر ہو کر رہ جاتے۔ روزگارِ فقیر ہی میں فقیر سید وحید الدین نے اس ضمن میں ایک واقعے کا ذکر کیا ہے کہ قیامِ لندن کے دوران اقبال نے سیلز گرل سے جرابیں دکھانے کو کہا، وہ لڑکی تیزی سے سامان لینے گئی۔ واپس آئی تو اقبال پر استغراق کا عالم تھا، پوچھنے لگے: تم یہاں کس لیے کھڑی ہو؟ وہ آب دیدہ ہو کر بولی کہ گھر کی آمدنی قلیل ہے، اس میں اضافے کے لیے مجبوراً نوکری کر رہی ہوں ____ بعدازاں اقبال کے دوست سید امجد علی نے اقبال سے پوچھا کہ آپ نے آخر یہ سوال کیوں کیا، تو جواباً گویا ہوئے:

> اس خاتون کو تو کسی گھر کی روشنی بننا تھا۔ اولاد کی صحیح تربیت کا فرض انجام دینا تھا۔ اس کی تخلیق کا مقصد بازار کی رونق بن کر جرابیں فروخت کرنا تو نہیں تھا۔ (۳۲)

وہ شروع ہی سے بچیوں کی ان خطوط پر تہذیب و تربیت کے قائل تھے اور اس ضمن میں اس زمانے میں برِعظیم میں کی جانے والی کاوشوں اور تحریری سرمایے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہاں اقبال کا ایک بیان درج کیا جاتا ہے، جو انھوں نے خواجہ حسن نظامی کی کتاب: **خانہ داری کا پہلا حصہ یعنی میاں اور بیوی کی تعلیم** پر ایک خط میں تحریر کیا، لکھتے ہیں:

> ......رسالہ بیوی کی تعلیم جو حال میں آپ کے قلم سے نکلا ہے، نہایت دل چسپ اور مفید ہے......لڑکیوں کو اس سے بے حد فائدہ پہنچے گا۔ میں نے بھی یہ رسالہ گھر میں پڑھنے کے لیے دے دیا ہے۔ مسلمان لڑکیوں کو خواجہ بانو کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان کی تحریک سے ایسا مفید رسالہ لکھا گیا۔ (۳۳)

شعری حوالے سے بھی اقبال بارہا اس نقطۂ نظر کی ترسیل کرتے ہیں۔ اس حوالے سے تخصیص کے ساتھ **رموزِ بے خودی** میں ''درمعنی این کہ بقائے نوع از امومت است و حفظ و احترام امومت اسلام است'' کے زیرِ عنوان مرقوم حصے میں انھوں نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ 'امومت' رحمت ہے کہ اسے نبوت کے ساتھ نسبت ہے۔ جس طرح پیغمبر اپنی قوم کے لیے شفیق ہوتا ہے اسی طرح ماں بڑی محبت سے اقوام کی صورت گری کرتی ہے۔ اس کی پیشانی پر ہماری تقدیر مرقوم ہے اور اس کے فریضۂ امومت بہ طریقِ احسن انجام دینے سے ملّتیں بے شمار خصائص کی حامل قرار پاتی ہیں۔ اقبال لکھتے ہیں:

نیک اگر بینی امومت رحمت است — زانکہ او را با نبوّت نسبت است
شفقتِ او شفقتِ پیغمبر است — سیرتِ اقوام را صورتگر است
از امومت پختہ تر تعمیرِ ما — در خطِ سیمائے او تقدیرِ ما
ہست اگر فرہنگِ تو معنی رسے — حرفِ اُمت نکتہ ہا دارد بسے
گفت آں مقصودِ حرفِ کُن فکاں — زیرِ پائے اُمّہات آمد جناں
ملّت از تکریمِ ارحام است و بس — ورنہ کارِ زندگی خام است و بس
از امومت گرم رفتارِ حیات — از امومت کشفِ اسرارِ حیات

از امومت پیچ و تابِ جوے ما | موج و گرداب و حبابِ جوے ما(۳۴)

اقبال کے نزدیک عورت کے لیے فریضۂ امومت کی انجام دہی بے حد ضروری ہے اور وہ طبقۂ نسواں کو اپنے نقطۂ نظر سے روشناس کرانے کے لیے اپنے محبوب اندازِ شعر یعنی تقابلی رنگ میں اصلاحی شعر رقم کرنے کی طرف بھی توجہ دیتے ہیں۔ رموز بے خودی میں علامہ نے ایک بدوضع، جاہل اور گنوار عورت کو اُس جدید تعلیم یافتہ عورت پر ترجیح دی ہے، جو تمام تر حسن و زیبائش، تراش خراش اور جدت و علمیت کے باوصف بچوں کی تہذیب و تربیت سے گریزاں ہے، لکھتے ہیں:

آں دُخِ رستاق زادے جاہلے | پست بالائے سطبرے بد گلے
نا تراشے، پرورش نا دادۂ | کم نگاہے، کم زبانے، سادۂ
دل ز آلامِ امومت کردہ خوں | گردِ چشمش حلقہ ہاے نیلگوں
ملّت ار گیرد ز آغوشش بدست | یک مسلمانِ غیورِ حق پرست
ہستیِ ما محکم از آلامِ اوست | صبحِ ما عالم فروز از شامِ اوست
واں تہی آغوش نازک پیکرے | خانہ پرورِد نگاہش محشرے
فکرِ او از تابِ مغرب روشن است | ظاہرش زن، باطنِ اُو نازن است(۳۵)

ان کے مطابق عورت احسن طریقے سے تربیتِ اطفال کر کے فریضۂ امومت کو نبھا سکتی ہے اور اس کے ایسا کرنے سے 'لآالٰہ گویوں' میں اضافہ ہوسکتا ہے جو ستاروں کی طرح بے شمار ہیں مگر ظلامِ روزگار میں چھپے ہوئے ہیں۔ اقوام کی ترقی کا راز روپے پیسے یا دولت کی فراوانی سے نہیں بل کہ ایسے 'فرزند ہائے تن درست' کی تخلیق میں مضمر ہے، جو 'تر دماغ'، 'سخت کوش' اور 'چاق و چست' ہوں۔ دیکھیے رموزِ بے خودی کے ابیاتِ ذیل میں اس امر کا اثبات کیسے موثر پیرایے میں کراتے ہیں اور عورت کا درجۂ امومت ان کے نزدیک کس حد تک پسندیدہ ہے:

بر دمد ایں لالہ زارِ ممکنات | از خیابانِ ریاضِ اُمہّات
قوم را سرمایہ اے صاحب نظر | نیست از نقد و قماش و سیم و زر
مالِ او فرزند ہائے تندرست | تر دماغ و سخت کوش و چاق و چست

حافظِ رمزِ اخوّت مادراں
قوتِ قرآن و ملّت مادراں(۳۶)

جاوید نامہ میں جب 'زندہ رود' سیرِ افلاک کے دوران میں پیرِ رومی کی معیت میں 'فلکِ مریخ' پر پہنچتا ہے، تو وہاں بھی اقبال نے ایک ایسا کردار 'نبیۂ مریخ'' کے نام سے تخلیق کیا ہے، جو ان کے ہاں عورت کے مقام و مرتبے کی توضیح کرتا ہے۔ مرد کے خلاف دیگر باغیانہ رویوں کے اظہار کے ساتھ ساتھ نبوت کی دعوے دار فلکِ مریخ کی یہ نبیہ عہدِ حاضر کی عورت کو فرائضِ امومت سے غفلت برتنے پر اکساتی ہے:

وحی یزداں پے بہ پے آید مرا
لذّتِ ایماں بیفزاید مرا

آمد آں وقتے کہ از اعجازِ فن
می تواں دیدن جنین اندر بدن!

حاصلے برداری از کشتِ حیات
ہر چہ خواہی از بنین و از بنات!

گر نباشد بر مرادِ ما جنین
بے محابا کشتن او عینِ دیں!

در پسِ ایں عصر اعصارِ دگر
آشکارا گردد اسرارِ دگر

پرورش گیرد جنیں نوعِ دگر
بے شبِ ارحام دریابد سحر!

تا بمیرد آں سراپا اہرمن
ہمچو حیواناتِ ایامِ کہن!

لالہ ہا بے داغ و با دامانِ پاک
بے نیاز از شبنمے خیزد ز خاک!

خودبخود بیروں فتد اسرارِ زیست
نغمہ بے مضراب بخشد تارِ زیست!

آنچہ از نیساں فرو ریزد مگیر
اے صدف در زیرِ دریا تشنہ میر!

خیزد با فطرت بیا اندر ستیز
تا ز پیکارِ تو حُر گردد کنیز!

رستن از ربطِ دو تن توحیدِ زن
حافظِ خود باش و بر مرداں متن!(۳۷)

اسی طرح ارمغانِ حجاز (فارسی) میں ’حضورِ ملت‘ کے تحت مرقوم دوبیتیوں میں اقبال نے بارھواں حصہ ’دخترانِ ملت‘ کے عنوان سے قائم کیا ہے، جہاں وہ مثالی عورت کے تصور کی توضیح وتشریح بڑی عمدگی سے کر گئے ہیں۔ مثالاً یہاں امومت وتربیت کے فرائض کی نشان دہی سے عبارت چند دوبیتیاں ملاحظہ ہوں جو متنوع لہجوں میں مرقوم ہیں:

جہاں را محکمی از امّہات است
نہادِ شاں امینِ ممکنات است
اگر ایں نکتہ را قومے نداند
نظامِ کاروبارش بے ثبات است(۳۸)

—

مرا داد ایں خرد پرور جنونے
نگاہِ مادرِ پاک اندرونے
ز مکتب چشم و دل نتواں گرفتن
کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے!(۳۹)

—

خنک آں ملّتے کز وارداتش
قیامت ہا بہ بیند کایناتش
چہ پیش آید، چہ پیش افتاد او را
تواں دید از جبینِ اُمہاتش (۴۰)

—

ز شامِ ما بروں آور سحر را
بہ قرآں باز خواں اہلِ نظر را
تو میدانی کہ سوزِ قرأتِ تو
دگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را (۴۱)

جب کہ اُردو کلام میں تصورِ امومت کا انسلاک لذتِ تخلیق سے کرتے ہوئے عورت کے ذریعے معرکۂ بود و نبود گرم دکھایا گیا ہے۔ ’عورت‘ کے زیرِ عنوان قطعے میں لکھتے ہیں:

جوہرِ مرد عیاں ہوتا ہے بے منّتِ غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جوہرِ عورت کی نمود!
راز ہے اس کے تپِ غم کا یہی نکتۂ شوق
آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود!
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرارِ حیات
گرم اسی آگ سے ہے معرکۂ بود و نبود!
میں بھی مظلومیِ نسواں سے ہوں غمناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود! (۴۲)

امومت کے سلسلے میں اقبال کے ہاں تربیتِ اطفال کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ اس ضمن میں وہ نہ صرف مسلم خواتین کے لیے اس فریضے کی احسن طریق میں ادائی کے لیے ارشادات فرماتے ہیں بل کہ ان کے دوسرے سفرِ لندن کے دوران کی مصروفیات سے ظاہر ہے کہ انھوں نے غیر مسلم خواتین کو بھی اس حوالے سے اہم مشورے دیے، مثلاً انقلاب میں شامل ایک تحریر (بہ تاریخ ۲۸ /نومبر ۱۹۳۱ء) سے ایک اقتباس اس امر کی تصدیق کے لیے پیش ہے کہ علامہ اس موضوع پر کس قدر سنجیدگی سے غور و خوض کرتے تھے:

...... پرسوں حضرتِ علامہ، مولانا شفیع داؤدی اور مولانا شوکت علی کے اعزاز میں لیڈی لارنس نے ایٹ ہوم کا اہتمام کیا تھا، جس میں متعدد خواتین شریک تھیں۔ انھوں نے حضرتِ علامہ سے کہا کہ ہمیں کوئی خاص پیغام

دیکھیے۔حضرتِ ممدوح نے فرمایا:''انگلستان کی عورتوں کا فرض ہے کہ آئندہ نسل کو دہریت اور مادیت کے چنگل سے بچائیں......(۴۳)

یوں امومت وتربیت کے باب میں اقبال نے خاصے توضیحی اسلوب میں عورت کے حقیقی منصب کی طرف توجہ دلائی ہے۔اس تصور کی تفہیم کے بعد ان کے ہاں اب 'وجودِ زن' سے صرف 'تصویرِ کائنات میں رنگ' ہی نہیں رہتا بل کہ وہ افرادِ ملّت کی تہذیب وتربیت میں فعال کردار ادا کرتی نظر آتی ہے ___ یہ دوسرا پہلو خالصتاً فرائضِ نسواں سے متعلق ہے اور علامہ کے ہاں اس کی تکمیل میں ہی بقائے حیات پنہاں ہے۔

فکریاتِ اقبال میں عورت کے مقام و مرتبے کی شناخت و دریافت کے ضمن میں قابلِ قدر نکتہ یہ ہے کہ علامہ نے محض فرائض کی بات نہیں کی بل کہ وہ حقوقِ نسواں کے بھی خاصے داعی رہے۔ان کی نثری وشعری نگارشات میں اس ضمن میں بڑے نادر خیالات کا اظہار ملتا ہے جن کا مطالعہ کیے بغیر اقبال کے نظامِ فکر میں عورت کے تصور کو سمجھنا محال ہے۔حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ان کے پیش کردہ ایسے نکات وافکار تناسب کے اعتبار سے امومت وتربیتِ اطفال کے ضمن میں رقم کیے جانے والے ارشادات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہونے کے باوصف نمایاں طور پر بیان نہیں کیے جاتے ___ کہنا چاہیے کہ شعر وفکرِ اقبال کے اسی تیسرے زاویے کے امتیازی نکتوں کی صراحت سے اقبال کے تصورِ زن کی تکمیل ہوتی نظر آتی ہے ___ اور یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہ زاویہ غالباً 'حقوقِ نسواں' سے عبارت ہونے کے باعث فکرِ اقبال میں عورت کے تصور کی پیش کش کے ضمن میں اکثر وبیش تر غیر نمایاں ہے حال آں کہ خود اقبال اسے 'فرائض' کے مقابلے میں زیادہ توجہ دیتے نظر آتے ہیں بل کہ وہ تو اس معاملے میں خود عورت سے گلہ گزار ہیں کہ اُسے اپنے حقوق کا احساس نہیں ہے۔مزید یہ کہ وہ مغرب میں اٹھائے جانے والے آزادیِ نسواں سے متعلق خیالات کا اطلاق خود پر بغیر سوچے سمجھے اور اپنے مذہب اور اقدار کے آئینے میں انھیں پرکھے بغیر کر رہی ہیں حال آں کہ مذہب اسلام نے انھیں ایک فرد کے طور پر اہمیت دی ہے اور ان کے حقوق پر واضح احکامات موجود ہیں۔ خود اقبال نے اصلاحِ تمدن کے ضمن میں بیان کردہ مسائل میں عورت کے حقوق کو اہم مسئلہ گردانا ہے (وہ اسے 'سب سے زیادہ نازک' مسئلہ کہتے ہیں) اور اس سلسلے میں واضح اسلامی احکامات کی موجودگی کی طرف توجہ دلانے کے ساتھ اسلام میں حقوقِ نسواں پر روشنی ڈالتے ہیں۔اپنے مضمون ''قومی زندگی'' میں اس حوالے سے وہ مغرب کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے بڑے مدلل اسلوب میں لکھتے ہیں:

> ......مغربی علما نے حقوقِ نسواں کے متعلق مذہب اسلام پر بعض بعض بڑے بے جا اعتراض کیے ہیں،لیکن یہ اعتراض حقیقت میں مذہبِ اسلام پر نہیں ہیں،جیسا کہ ان علما نے خیال کیا ہے،بل کہ ان کی آماج گاہ وہ استدلالات ہیں جو فقہائے اسلام نے کلامِ الٰہی کے وسیع اصولوں سے کیے ہیں اور جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ ضروری اجتہادات مذہب کے کوئی ضروری اجزا نہیں ہیں۔ان تمام اعتراضات کا مقصد ومدعا یہی ہے کہ اصولِ مذہب اسلام کی رو سے عورتوں کی حیثیت محض غلامانہ ہے،لیکن ذرا سوچنے کا مقام ہے کہ جس نبیؐ نے نوعِ انسانی کے ایک بہت بڑے گروہ یعنی غلاموں کو حقوق کی رو سے آقاؤں کے مساوی کردیا،یہ کس طرح ممکن

تھا کہ وہی بنی نوع انسانی کے ایک نہایت ضروری حصے کو جس کو اُس نے اپنی تین محبوب ترین اشیا میں شامل کیا ہے، غلاموں کی صورت میں منتقل کر دیتا۔ مسلمانوں کا موجودہ طریقِ عمل زیادہ تر فقہاے قدیم کے ذاتی استدلالات پر مبنی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ استدلالات ترمیم طلب ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ ان استدلالات میں موجودہ حالات کی رُو سے ترمیم کرنا گناہ ہے، بشرطے کہ یہ ترمیم اصولِ مذہب کے مخالف نہ ہو...... (۴۴)

چناں چہ فکریاتِ اقبال میں فرائض کے اختلافات کے ساتھ بہ طور فرد عورت کو مرد کے مساوی قرار دیا گیا ہے اور اقبال واضح طور پر اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ۷ر جنوری ۱۹۲۹ء کو انجمن خواتین اسلام، مدراس نے علامہ اقبال کو ایک سپاس نامہ پیش کیا، جس میں انھوں نے برِ عظیم میں مسلم عورت کے استحصال پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

......آپ سے یہ عاجزانہ التماس کرنا غیر موزوں اور نامناسب نہ ہوگا کہ آپ ہم اسیرانِ قفس کے لیے بھی اپنے قیمتی اوقات سے کچھ تھوڑا سا وقت وقف فرمائیں اور طبقۂ نسوانِ اسلام کی شرعی آزادی کے لیے نغمہ سنجی فرمائیں۔ ہم اسیرانِ قفس کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اس کے انسداد کے لیے کوئی ایک پُر جوش نظم لکھ کر سوتے ہوئے جذبات کو بھڑکائیے...... دنیا میں مرد و عورت کے توقعات ایک دوسرے سے یکساں ہوتے ہیں اور اسلام نے مساوات کی تعلیم دی ہے۔ ہم بہت رنج سے دیکھتی ہیں کہ مردوں کی جانب سے عورتوں کے حقوق کے متعلق سخت بے پروائی برتی جاتی ہے......ہم کو اس بات کا رنج ہے کہ فرقۂ اناث کے ساتھ بے انصافی کرنے اور ان کی حق تلفی کرنے کی بنیاد خود والدین کے گھروں میں ڈالی جاتی ہے۔ ماں باپ دونوں فریق میں افراط و تفریط و فرق کو ہمارے ساتھ ساتھ پرورش کرتے ہیں۔ لڑکی کو لڑکے کے مقابلے میں کھانے پینے کے علاوہ تقسیمِ املاک میں بھی محروم کر دیتے ہیں۔ لڑکی گر بدقسمتی سے بیوہ ہو جاتی ہے تو ظالم ماں باپ اپنی خاندانی عزت و عظمت بچانے کے لیے اس کی شادی نہیں کر دیتے۔ اس کو بھائیوں اور چچاؤں کے دست نگر بنا کے تباہ کر دیتے ہیں۔ اب عصرِ جدید میں ہر جگہ طبقۂ نسواں کی آزادی کی چیخ و پکار ہے۔ نئی تعلیم و روشنی کا فطرتی نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی طبقۂ نسواں میں ان کی شرعی اور جائز آزادی اور مساوات ان کو حاصل ہوں...... (۴۵)

جیسا کہ ذکر ہوا کہ اقبال نے اس کے جواب میں ''شریعتِ اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ'' کے عنوان سے ۱۹ر فروری ۱۹۲۹ء کو ایک تقریر کی جو انقلاب میں شائع ہوئی۔ اس میں آزادیٔ نسواں سے متعلق دیگر نکات کے علاوہ عورت اور مرد کی مساوات کے ضمن میں آپ نے فرمایا:

......عورت کے بہ حیثیت عورت اور مرد کے بہ حیثیت مرد، بعض خاص علیحدہ علیحدہ فرائض ہیں۔ ان فرائض میں اختلاف ہے، مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ عورت ادنیٰ ہے اور مرد اعلیٰ ____ فرائض کا اختلاف اور وجوہ پر مبنی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں تک مساوات کا تعلق ہے، اسلام کے اندر مرد و زن میں کوئی فرق نہیں۔ تمدنی ضروریات کی وجہ سے فرائض میں اختلاف ہے۔ مدنی زندگی کے لیے جو احکام ہوں گے، وہ فرائض کو مدِ نظر رکھ کر ہوں گے...... (۴۶)

> مجھے یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ اسلام میں مرد و زن میں قطعی مساوات ہے۔ میں نے قرآنِ پاک کی آیت سے یہی سمجھا ہے۔ بعض علما مرد کی فوقیت کے قائل ہیں۔ جس آیت سے شک کیا جاتا ہے، وہ مشہور ہے **الرجال قوامون علی النساء** ــــ عربی محاورے کی رو سے اس کی یہ تفسیر صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ عربی گرامر کی رو سے قائم کا صلہ جب علیٰ پر آئے تو معنی محافظت کے ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسری جگہ قرآنِ حکیم نے فرمایا: '**ھن لباس لکم و انتم لباس لھن**' ــــ لباس بھی محافظت کے لیے ہوتا ہے۔ مرد، عورت کا محافظ ہے۔ دیگر کئی لحاظ سے بھی مرد و عورت میں کسی قسم کا فرق نہیں...... (۴۷)

اسی خطاب میں علامہ نے اپنے موقف کی تائید میں تاریخِ اسلام سے اسناد پیش کرتے ہوئے عورت اور مرد کی مساوات کے حوالے سے یہ بھی کہا کہ:

> قرونِ اولیٰ میں عورتیں مردوں کے دوش بہ دوش جہاد میں شریک ہوئیں۔ حضرتِ عائشہؓ پردے میں بیٹھ کر لوگوں کو درس دیتی رہیں۔ خلفاے عباسیہ کے عہد میں ایک موقعے پر خلیفہ کی بہن قاضی القضاۃ کے عہدے پر مامور تھیں اور خود فتویٰ صادر کرتی تھیں ــــ اب یہ مطالبہ ہے کہ عورت کو ووٹ کا حق ملنا چاہیے۔ خلافتِ اسلامیہ میں خلیفہ کے انتخاب پر ہر شخص کو رائے دینے کا حق حاصل تھا، نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی خلیفہ کے انتخاب میں اپنی آواز رکھتی تھیں۔ اسلام تمام معاملات میں اعتدال کو مدنظر رکھتا ہے۔ '**اُمۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس**' ــــ اس کا مطلب یہی ہے کہ تمام افراط و تفریط سے پرہیز کیا جائے۔ (۴۸)

خود حیاتِ اقبال میں اس طرح کے واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت کو ایک فرد کی حیثیت سے تسلیم کرتے تھے، مثلاً ۱۹۳۱ء میں جب ہندستان میں مختلف مقامات پر ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو نقصان کا سامنا کرنا پڑا (خصوصاً کان پور کے حوالے سے) تو اقبال اور دوسرے مسلمان رہ نماؤں نے ۱۴؍جولائی ۱۹۳۱ء کے اخبارات میں اپیل شائع کرائی جس میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کو بھی چندے کی جمع آوری کے لیے کہا گیا۔ یہ موقف قائم ہوا کہ: ''ہر جگہ کی مخلص عورتیں بھی اگر اس کام کے لیے آمادہ ہو جائیں تو عورتوں ہی سے اس قدر رقم جمع کی جا سکتی ہے جو مساجد کی تعمیر کے لیے کافی ہو۔ امید ہے کہ ہر جگہ کی تعلیم یافتہ مسلم خواتین اپنی بہنوں میں یہ تحریک پھیلا کر اس نیک کام میں حصہ لیں گی اور بیداری کا ثبوت دیں گی......''(۴۹) اقبال عورت کے ووٹ دینے کے حق میں تھے اور اس امر پر افسوس کا اظہار کرتے تھے کہ غلاموں کی طرح عورت کو بھی اس حق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ چناں چہ ۱۹۰۸ء کے تحریر کردہ اپنے ایک مقالے: ''خلافتِ اسلامیہ'' کے ایک حصے بہ عنوان: ''خلافتِ انتخابیہ ــــ مذہب اہل سنت والجماعت'' میں لکھتے ہیں: ''معلوم ہوتا ہے قرونِ اولیٰ کے فقہا اس بات میں کچھ خطرہ محسوس کرتے تھے کہ عوام الناس کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہو یا کبھی عملاً ووٹ دیں......مگر ہم بالفعل اس معاملے میں اپنی رائے نہیں دے سکتے کہ عورتوں کو الگ تھلگ رکھنے کی پابندی روز افزوں اس

لیے ہوئی کہ ان کو حقِ انتخاب سے محروم رکھا جائے جس سے اصولاً ان کو محروم نہیں رکھا جا سکتا تھا، یا کسی اور غرض کے لیے۔"(۵۰)

فکریاتِ اقبال میں طبقۂ نسواں سے متعلق تصورات ونظریات سے یہ ثابت ہے کہ اقبال نے بھی عورت کو دیگر علما و فلاسفہ کی طرح حیاتِ انسانی کے ایک اہم اور فعال مظہر کے طور پر پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اپنے فلسفۂ زن کی تعبیریں بڑے مدلل انداز میں پیش کرتے ہیں، باوجود اس کے کہ ان کے ہاں اس قبیل کے خیالات زیادہ تر بکھری ہوئی صورت میں ملتے ہیں۔ شعر وفکرِ اقبال میں عورت کے مقام و مرتبے کی اولین صورت خالصتاً جمالیاتی و تاثراتی اور عقلی و ذہنی ہے، جس کے تحت وہ اسے ایک بھرپور قوتِ محرکہ قیاس کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی جذباتی و تخیلاتی اور ذہنی آسودگی کے لیے عطیۂ خداوندی سمجھتے ہیں۔ دوسری صورت خالصتاً امومت و تربیت سے وابستہ ہے جو اصلاً اس کی تخلیق کا باعث ہے اور توسیع انسانی کا ایک فطری عمل بھی۔ اس نکتے کے تحت انھوں نے بڑی مہارت کے ساتھ تعلیم وتہذیب، آزادی و دائرۂ آزادی، فعالیت و نیم فعالیت، ادائیگی فرائض اور نسوانی حیا جیسے موضوعات کو چھیڑا ہے اور حقیقی معنوں میں ان کے مطابق یہ نکتہ سرتاسر فرائض نسواں کے گرد گھومتا ہے۔ یہاں عورت قربانی کی تفسیر دکھائی دیتی ہے اور وہ اسی میں بقائے حیات کا راز مضمر گردانتے ہیں ـــــ خصوصاً ملتِ اسلامیہ میں امومت و تربیت کے جو اصول نہایت اہم سمجھے جاتے ہیں، اقبال نے بڑی تفصیل کے ساتھ ان پر روشنی ڈالی ہے۔ نیز ان کے مطابق نسائے اسلام کے لیے یہ وہ اوصافِ عالیہ ہیں جو صرف انھی سے مخصوص ہیں اور جن کے باعث ان کے قدموں میں جنت رکھی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان فرائض کی بہ صورتِ احسن ادائیگی ملت اسلامیہ کے ترفع اور عدم ادائیگی اس کے تنزل کا سبب بنتی رہی ہے۔ اقبال نے ان پہلوؤں کو عورت کا امتیاز قرار دیا ہے اور یہاں وہ خالصتاً طبقۂ نسواں سے مخاطب ہوئے ہیں ـــــ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام امور مردوں سے الگ ہیں، اس لیے ان پر اس صورت میں الگ طریقے سے بات کرنا، اقبال جیسے نادرِ روزگار مفکر و مدبر کی حکمت و ذہانت کے عین مطابق تھا اور ہندستان میں مسلمانوں کی ابتر صورت حال کے تحت اشد ضروری ـــــ تیسرا نکتہ کلی طور پر عورت کے مقام کا بہ حیثیت فردِ ملت تعین کرتا ہے اور یہاں علامہ مدلل انداز سے ثابت کرتے ہیں کہ عورت ایک انسان ہونے کے ناتے، ایک 'فرد' کے طور پر وجود رکھتی ہے اور دیگر افرادِ ملّت کی طرح تخلیق وتحصیل مقاصد، آزادی ومساوات اور تحرک وحرارت وغیرہ کے زریں اصولوں کو اپناتے ہوئے نہ صرف اپنی شخصیت میں امتیاز پیدا کرسکتی ہے بل کہ ملّت کے ایک متحرک فرد کے طور پر اپنی ذمے داریاں احسن طریقے سے انجام دے سکتی ہے ـــــ یوں یہ نکتہ حقوقِ نسواں سے منسلک ہے اور ظاہر ہے کہ فرائض کی بہ خوبی انجام دہی کے بعد عورت کے لیے معاشرے میں دین وشریعت کے دیئے گئے حقوق کی روشنی میں ایسے مقام و مرتبے کا پہچاننا ضروری ہے۔ ایک اعتبار سے دیکھا جائے تو اقبال کے ہاں یہ تیسرا پہلو بے حد اہم ہے اور اگر فکریاتِ اقبال میں اسے نظر انداز کیا جائے تو 'فرد' کی اصطلاح شعرِ اقبال میں یک سطحی بل کہ قدرے بے معنی ہو جاتی ہے کہ دوسری صورت میں محض 'مردِ مومن' کی اصطلاح کافی رہتی ہے ـــــ عورت اگر حفظِ نسوانیت اور امومت و تربیت کے فرائض عالیہ کی انجام دہی کے ساتھ مکمل علم وشعور کے ساتھ معاشرے کے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں بلند مقام بناتی ہے تو یہ عین خودی اور عشق کے فیضان سے حاصل ہونے والے خصائص ہیں ـــــ جیسا کہ خود اقبال نے طبقۂ نسواں سے دین و

دانش اور فعالیت وتحرک سے ہم آہنگ خواتین کو مسلم عورتوں کے لیے سراپا مثال قرار دیا۔ یاد رہے کہ اقبال کے ہاں عورت کے مقام ومرتبے سے متعلق پیش کردہ متذکرہ نکات کا معاشرے میں عورت کے کردار کی وضاحت میں اسی طرح حصہ ہے، جس طرح دوسرے طبقات میں شعور پیدا کرنے کے لیے ان کے کلام سے اخذ کیا جاتا ہے۔ اقبال کا بنیادی مقصد ہی فرد اور معاشرے کی اصلاح وفلاح ہے اور انھوں نے خاص اس موضوع پر تمام تر دینی وسماجی اور مشرقی تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے عورت کے مقام ومرتبے کی توضیح کی ہے ___ یوں کلام وافکارِ اقبال سے مسلم معاشرے کا ایک بڑا طبقہ محروم نہیں نظر آتا اور اگر ان کی پیش کردہ سمت کی روشنی میں تربیت نسواں کی جائے تو کوئی شک نہیں کہ مسلم معاشرے میں رواجی ومعاشرتی سطح پر قابل اور ذہین خواتین کے استحصال کی بیخ کنی نہ ہو سکے ___ غور کیا جائے تو اقبال نے بھی شاید اسی لیے 'مسئلۂ زن' کو اہم گردانا، وگرنہ ان کے ہاں عورت محض ایک عشوہ طراز محبوبہ کے طور پر سرتاسر جمالیاتی وروحانی پیکر کی صورت میں سامنے آتی جس کی ذہن وخیال میں تو ضرور جگہ ہوتی لیکن تعمیرِ معاشرت میں اس کے لیے کوئی گنجائش نہ ہوتی اور نہ ہی وہ اپنی مضبوط شخصیت سے دوسروں کی تقدیریں بدل دینے پر قادر ہوتی۔

حوالہ جات / حواشی

۱۔ دیکھیے: گفتارِ اقبال (مرتبہ) محمد رفیق افضل، لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہِ پنجاب، طبع اوّل ۱۹۶۹، ص ۷۵۔

۲۔ ملاحظہ کیجیے: روزگارِ فقیر از فقیر سید وحید الدین، لاہور: آتش فشاں پبلی کیشنز ۱۹۸۸ء، ج ا، ص ۱۶۴۔

۳۔ ضربِ کلیم مشمولہ کلیاتِ اقبال (اردو)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۷۲ء، ص ۹۴۔

۴۔ رموزِ بے خودی مشمولہ کلیاتِ اقبال (فارسی)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع ششم، ص ۱۴۹۔

۵۔ ضربِ کلیم، مشمولہ کلیاتِ اقبال (اردو)، ص ۹۵۔

۶۔ دیکھیے: کلیاتِ باقیاتِ شعرِ اقبال (مرتبہ) ڈاکٹر صابر کلوروی، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول ۲۰۰۴ء، ص ۱۶۴، ۱۶۵۔ ۷۔ بانگِ درا، مشمولہ کلیاتِ اقبال (اردو)، ص ۹۸۔

۸۔ ایضاً، ص ۱۰۲۔ ۹۔ //، ص ۱۰۵۔ ۱۰۔ //، ص ۱۱۶۔ ۱۱۔ //، ص ۱۱۷۔

۱۲۔ //، ص ۱۱۸۔ ۱۳۔ //، ص ۱۲۰۔ ۱۴۔ //، ص ۱۲۱۔

۱۵۔ مکتوب بہ تاریخ ۲۳ / اکتوبر ۱۹۰۷ء مشمولہ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال (مرتبہ) مظفر حسین برنی، لاہور: ترتیب پبلشرز، س ن، ج ا، ص ۱۲۲، ۱۲۳۔

۱۶۔ مکتوب بہ تاریخ ۲ / دسمبر ۱۹۰۷ء مشمولہ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، ج ا، ص ۱۲۶، ۱۲۷۔

۱۷۔ مکتوب بہ تاریخ ۲۰ / جنوری ۱۹۰۸ء، ایضاً، ص ۱۲۹۔

۱۸۔ مکتوب بہ تاریخ ۲۱ / جنوری ۱۹۰۸ء، //، ص ۱۳۱۔

۱۹۔ مکتوب بہ تاریخ ۳ر جون ۱۹۰۸ء،،،،ص ۱۳۵۔

۲۰۔ مکتوب بہ تاریخ ۲۷ر جون ۱۹۰۸ء،،،،ص ۱۳۷،۱۳۸۔

۲۱۔ مکتوب بہ تاریخ ۳ر ستمبر ۱۹۰۸ء،،،،ص ۱۴۵۔

۲۲۔ مکتوب بہ تاریخ ۲۰ر جولائی ۱۹۰۹ء،،،،ص ۱۸۱۔

۲۳۔ مکتوب بہ تاریخ ۳۰ر جولائی ۱۹۱۲ء،،،،ص ۲۳۷۔

۲۴۔ مکتوب بہ تاریخ ۹ر اپریل ۱۹۰۹ء مشمولہ اقبال (از عطیہ فیضی)، لاہور: آئینہ ادب ۱۹۷۵ء، ص ۴۸، ۴۹۔

۲۵۔ دیکھیے: کتابِ مذکور، ص ۵۰، ۵۱۔

۲۶۔ انقلاب: ۱۳ر دسمبر ۱۹۳۱ء بہ حوالہ گفتارِ اقبال (مرتبہ) محمد رفیق افضل، ص ۲۶۲۔

۲۷۔ ایضاً ص ۲۵۲۔ ۲۸۔ دیکھیے: گفتارِ اقبال، ص ۲۱۶، ۲۱۷۔

۲۹۔ ایضاً ص ۱۴۰۔ ۳۰۔ دیکھیے: علم الاقتصاد، کراچی: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۶۱ء، ص ۱۱، ۱۲۔

۳۱۔ روزگارِ فقیر از فقیر سید وحید الدین، ج ۱، ص ۶۶۔ ۳۲۔ ایضاً ص ۱۳۷، ۱۳۸۔

۳۳۔ ملاحظہ کیجیے: مکتوب مذکور مشمولہ انوارِ اقبال (مرتبہ) بشیر احمد ڈار، کراچی: اقبال اکادمی پاکستان، طبع اوّل ۱۹۶۷ء، ص ۵۔

۳۴۔ رموز بے خودی مشمولہ کلیاتِ اقبال (فارسی) ص ۱۵۰۔

۳۵۔ ایضاً ص ۱۵۱۔ ۳۶۔ ایضاً۔ ۳۷۔ جاویدنامہ مشمولہ کلیاتِ اقبال (فارسی) ص ۱۱۱، ۱۱۲۔

۳۸۔ ارمغانِ حجاز مشمولہ کلیاتِ اقبال (فارسی) ص ۹۳۔ ۳۹۔ ایضاً۔

۴۰۔ ،،،،ص ۹۴۔ ۴۱۔ ایضاً۔ ۴۲۔ ضربِ کلیم مشمولہ کلیاتِ اقبال (اردو) ص ۹۷۔

۴۳۔ دیکھیے: گفتارِ اقبال، ص ۲۵۲۔

۴۴۔ قومی زندگی اور ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر، لاہور: آئینۂ ادب طبع اول ۱۹۷۰ء، ص ۴۳، ۴۴۔

۴۵۔ مشمولہ انوارِ اقبال (مرتبہ) بشیر احمد ڈار، ص ۲۳۷، ۲۳۸۔

۴۶۔ مشمولہ گفتارِ اقبال، ص ۷۶، ۷۷۔

۴۷۔ ایضاً ص ۷۵، ۷۶۔

۴۸۔ ،،،،ص ۷۶۔

۴۹۔ ،،،،ص ۱۲۸، ۱۲۹۔

۵۰۔ مقالاتِ اقبال (مرتبہ) سید عبدالواحد معینی، لاہور: آئینۂ ادب، طبع دوم ۱۹۸۲ء، ص ۱۳۸، ۱۳۹۔